السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کسی کے وسیلے اورصدقہ کے ساتھ دعا مانگنی کیسی ہے ؟ مثلا : ایک شخص کہتا ہے کہ اے خدا اپنے رسول پاک کے صدقے میں میری اس بیماری کو دور کردے ۔ یا قرآن کے طفیل میں میری خطاؤں کو بخشش دے ۔ یا فلان بزرگ کے وسیلے اور برکت سے ہمارے اموال وجائیداد میں ترقی عنائت فرما۔ بقول شخصے حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرک ہے ،واللہ اعلم بالصواب۔ اورادھر کے اکثر حنفی مولویوں سے فتویٰ پوچھا گیا۔ توانہوں نے اس طریقہ دعائیہ کو مستحسن قراردیا اور بعضوں نے توصرف جائز قراردیا اور بعضوں کہا کہ بغیر وسیلہ کے کوئی دعا مقبول بارگاہ ہی نہیں ہوسکتی ۔

ان میں سے بعض نے استسقا کی حدیث پش کی ۔ اور بعضوں نے من کانت لہ ضرورة، فلیتوضأ فیحسن وضوئہ یصلی رکعتین ، ثم یدعو اللھم اسلک واوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمة، یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ہذہ، لتقضی لی، اللھم شفعتہ فی ....،،، (ترمذي، نسائی، ابن ماجہ ترمذي کتاب الدعوات باب: 119(3578)5/569 ابن ماجہ کتاب الصلاة باب ماجاء فی صلاة الحاجة(1384)1/442) : ''منقول از حصن حصین ،، اورکسی نے درود شریف : "اللھم صلی علی محمد وسیلتی الیک وآلہ وسلم صلی اللہ علیک یا محمد ،، اورکسی نے سعدی علیہ الرحمہ کے اشعار خدایا بحق بنی فاطمہؓ کہ

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

واضح ہوکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے تمام دینی اموراور کاموں کو اللہ اور رسول کے قانون پر پش کرے ، ارشاد ہے فَإِن تَنٰزَعتُم فى شَىءٍ فَرُدّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسولِ ... 59 ... النساء قانون الٰہی اس کام کی اجازت دے تو عمل میں لائے ۔ نہ اجازت دے تو اس سے پرہیز کرے ، ایک مومن کے لیے حجت اور دین صرف قرآن اور حدیث ہے ۔ اس لیے اس کو اپنا ہر عمل انہیں دونوں کسوٹیوں پر پرکھنا چاہیئے ۔ ٹھیک اترے تو اس عمل پر ثابت رہے ورنہ چھوڑ دے ، جس چیز کا ثبوت قرآن وحدیث اور بدرجہ آخر عمل صحابہ سے نہ ہو اس کو بدعت جان کر ترک کردے ۔ ''من احدث فی امرنا ہذا مالیس منہ فہو رد ،، الحدیث (بخاری کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فھو مردود 3/167، مسلم کتاب الاقصیہ باب نقص الاحکام الباطلة(1718)3/1343

سوال میں بیان کردہ مروجہ ''توسل ،، یعنی : کسی کے صدقہ اوروسیلے کے ساتھ دعا مانگنی (جس میں متوسل بہ کا ذی عقل ہونا ، یا زندہ ہونا ، یا اس کو ہمارے توسل کا علم ہونا ، یا اس کی دعا کا بھی دخل ہونا مشروط اور ضروری نہیں ہوتا) نہ قرآن کریم سے ثابت ہے ، نہ احادیث رسول ﷺ سے ، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ، نہ تابعین وائمہ عظام سے ، غرض یہ کہ یہ طریقہ خیر القرون میں موجود نہیں تھا ، اس لیے بلاشبہ بدعت ہے جس سے پرہیز کرنا ضروری ہے ۔

مولوی انورشاہ مرحوم لکھتے ہیں : '' واعلم ان التوسل بین السلف ، لم یکن کما ہو المعهود بیننا ، فانہم اذا کانوا یریدون ان یتوسلوا باحد ، کانوا یذہبون بمن یتوسلون بہ ایضا معہم لیدعوالہم ، ثم یستعینون باللہ ویدعونہ ویرجون الاجابة منہ ببرکة شمولہ ووجودہ فیہم ، (قال) : أما التوسل باسماء الصالحین ، کما ہو المتعارف فی زماننا ، بحیث لایکون للمتوسلین بہم علم بتوسلنا ، بل لاتشترط فیہ حیاتہم ایضا ، وانما یتوسل بذکر اسماء ہم فحسب ، زعما منہم ان لہم وجاہتہ عند اللہ وقبولا فلا یضیعہم بذکر اسماء ہم ، فذلک امرلا احب أن أقحم فیہ ، فلا أدعی ثبوتہ علی السلف ولا أنکرہ (قال) : وأما قولہ تعالی : '' وا بتغوا الیہ الوسلیة ،، فذلک اقتضی ابتغاء واسطة ، لکن لا حجة فیہ علی التوسل المعروف بالاسماء فقط ، (قال) : وأجازہ صاحب الدر المختار ، ولکن لم یأت بنقل عن السلف ،، انتہی (فیض الباري 433/3).

قلت : لم یثبت من أحد من السلف ، التوسل المعروف فی زماننا ، ولا یمکن لأحد من ہولاء الزائغین الضالین عن الحق أن یثبتہ أبدا ، ولو کان بعضہم لبعض ظہیرا ، ولا عجب مما أحجم عنہ صاحب الفیض ، أعنی القول بکون التوسل المعروف بدعة ، فانہ قد أجاز الاستفاضة من اہل القبور ، فما ترجوا منہ بعد ذلک ، ولیعلم أن قولہ تعالی : '' وا بتغوا الیہ الوسیلة ،، لایقتضی ابتغاء واسطة ، کما تفوہ بہ صاحب الفیض ، لأن المراد بالوسیلة القرب ، والمعنی : اطلبوا القرب من اللہ تعالی بالأعمال الصالحة ، وارجع الی تفسیر الحافظ ابن کثیر وغیرہ من کتب التفاسیر.

والی حدیث صحیح توسل مروجہ کے جواز پر بہت سے نقلی اور عقلی دلائل پش کئے جاتے ہیں ، جن میں سے دو مشہور دلیلیں سوال میں درج کی گئیں ہیں ، لیکن ان میں سے ایک دلیل بھی مثبت مدعا نہیں ہے ، استسقاء حضرت عمر بخاری (کتاب الصلاة باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا 2 15)میں باین الفاظ مروی ہے ۔

عن أنس ، أن عمر استسقی بالعباس ، وقال : اللھم إنا کنا إذا أجد نتوسل إلیک بنبینا فتسقینا ، وإنا نتوسل إلیک بعم نبیک ، فاسقنا ، فیسقون ،، ظاہر ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) آں حضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کی دعا اور کی سفارش سے توسل کیا کرتے تھا ، آں حضرت ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے اور ساتھ ہی صحابہ بھی دعا فرماتے جیسے امام اور مقتدی دونوں دعا کرتے ہیں ، پھر جب آں حضرت ﷺ وفات پاگئے توصحابہ نے حضرت عباس دعا سے توسل کیا ، چنانچہ حضرت عباس کی دعا کے یہ الفاظ نقل کئے جاتے ہیں : '' اللھم إنہ لم ینزل بلاء إلا بذنب ، ولم یکشف إلا بتوبة ، وقد توجہ القوم بی إلیک ، لمکانی من نبیک ، وہذہ أیدینا إلیک بالذنوب ونواصینا إلیک بالتوبة ، فاسقنا الغیث ،، (فتح الباري 497/2) ، پس یہ توسل ایک بزرگ زندہ شخص کی دعا اور سفارش سے ہوا ، نہ مردہ شخص کی ذات سے یا اس کی نام سے ۔ اوراس حدیث سے ثابت شدہ توسل میں اور توسل مروجہ میں آسمان وزمین کا فرق ہے ۔ جس توسل کو ہم بدعت کہتے ہیں وہ ثابت نہیں ہوا ۔ اور جو ثابت ہے ہم اس کے منکر نہیں ، اگر توسل بالمیت جائز تھا تو حضرت عمر کے خود آنحضرت ﷺ دیگر صحابہ کرام نے بجائے حضرت عباس سے کیوں نہیں توسل کیا ؟ اور مولوی انورشاہ مرحوم فرماتے ہیں : '' لیس فیہ التوسل المعہود الذي یکون بالغائب ، حتی قد لایکون بہ شعور أصلا ، بل فیہ توسل السلف ، وہو أن یقدم رجلا ذا وجاہتہ عند اللہ تعالی ، ویأمرہ أن یدعولہم ، ثم

يحيل عليه دعائه، كما فعل بعباس رضى لله عنه عم النبى صلى الله عليه وسلم، ولوكان فيه توسل المتأخرين، لما احتاجوا ياذهاب عباس رضى الله عنه معهم، ولكفى لهم التوسل بنبيهم بعد وفاته أيضا، أولعباس رضى الله عنه مع عدم شهود معهم،، انتهى (فيض الباري 2/379) اور حدیث ذیل جو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، مستدرک حاکم (1 526) وغیرہ میں مروی ہے اس سے توسل مروجہ کا ثبوت نہیں ہوتا کیوں کہ اس میں درحقیقت توسل بالدعا ہے اور وہ بھی آں حضرت ﷺ کی زندگی میں۔ نہ کہ بعد وفات ''أتوجه أليک بنبيک محمد نبى الرحمة، انى توجهت بک إلى ربى،، میں بدعاء وشفاعۃ نبیک سے مراد ہے، اور اس پر دلیل کا لفظ ''اللهم فشفعه فى،، ہے پس اس میں آنحضرت ﷺ کی دعا کو وسیلہ بنانا ہے اور بلاشبہ جائز ہے۔ رہ گئی طبرانی کی رویت جس سے معلوم ہوتا ہے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ توسل بالمیت کے قائل تھے۔ تو وہ رویت ناقابل استدلال ہے لأن فى سنده روح بن صلاح وهو ضعیف اور سوال میں نقل کردہ درود کے الفاظ کسی معتبر رویت بلکہ ضعیف سے بھی ثابت نہیں ہے، اس لیے اس سے توسل مروجہ پر استدلال کرنا غلط ہے۔ اور شیخ سعدی نہ پیغمبر ہیں نہ ان کا کلام حجت ہے۔ اس لیے اس سے دلیل پکڑنا عبث اور فضول ہے۔ بلکہ یہ تو حنفی مذہب کے سراسر خلاف ہے۔

قال ابوالحسن القدوري فى شرح كتاب الكرخى: ''قال بشر بن الوليد: سمعت أبا يوسف يقول: قال ابو حنيفة: لاينبغى لأحد أن يدعوالله تعالى إلا به، وأكره أن يقول: اسئلک بمعاقد العزمن عرشک، وأن يقول: بحق فلان وبحق انبيائک وسلک وبحق البيت الحرام،، انتهى، وقال نعمان خير الدين الحنفى فى جلاء العينين: ''ونقل القدوري وغيره من الحنفية عن ابى يوسف أنه قال ابو حنيفة: لاينبغى لأحد أن يدعوالله إلا به، وفى جميع متونهم: أن قول الداعى المتوسل بحق الأنبياء والأولياء وبحق البيت والمشعر الحرام مكروه كراهة تحريم، وهى كالحرام فى العقوبة بالنار عند محمد،، انتهى ملخصا.

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ توسل مروجہ بدعت اور بے اصل چیز ہے قال شيخنا الأجل المباركفوري فى شرح الترمذي 283/4: ''الحق عندي أن التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم فى حياته، بمعنى التوسل بدعائه وشفاعته جابر، وكذا التوسل تغيره من اهل الخير والصلاح فى حياتهم، بمعنى التوسل بدعائهم وشفاعتهم أيضا جائز، وأما التوسل به صلى الله عليه وسلم بعد مماته، وكذا التوسل بغيره من أهل الخير والصلاح بعد مماتهم، فلايجوز،، انتهى بعض دیوبندی علماء نے توسل مروجہ کی تجدید یا توجیہ واصلاح اس طرح کی ہے:

ہم جس توسل کی قائل ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی سے حاجت مانگی جائے، اور اللہ تعالی کو ہی معین اور فریاد درس سمجھا جائے، اور بزرگوں سے جو اللہ تعالی کو خاص محبت اور خاص تعلق ہے اور اس کے وسیلے سے دعا کی'' جائے۔ وسیلہ حقیقت میں اللہ کی وہ رحمت ہے جس سے مقبول بندہ نوازا گیا ہے۔ پس کسی کے وسیلہ سے دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی خاص رحمت کو، جو اس بندہ پر ہے وسیلہ بنایا گیا ہے خود اس بندہ کو سیلہ نہیں بنایا گیا ہے۔ اب تم اللہ کی رحمت و محبت و عنائت کو جس سے خاص بندے نوازے گئے ہیں، اپنی جاجت کے وقت وسیلہ بنا سکتے ہو، ہر حال میں اللہ توحید ملحوظ رکھو، بندہ کو فاعل اور موثر اور کام بنانے والا نہ سمجھو،،۔

(حاشیہ البنیان المشید ترجمہ البرہان المويد)

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 1

صفحہ نمبر 41

محدث فتویٰ